

ہم ایک دوسرے کیلئے عذاب ہیں!

سول سروس میں میرے سے پانچ سال سینٹر افسر کے ساتھ ایک سانحہ پیش آگیا۔ جب بلوچستان میں ڈی سی تھے تو ایک سڑک بنوائی گئی۔ اس وقت ضلع کوئسل کے انچارج بھی تھے۔ ٹھیکیدار کی کوتاہی کی بدولت سڑک کی تعمیر میں کمی ناقص رہ گئے۔ بلوچستان کے ایک ادارے نے تحقیق کی۔ اس طرح افسر مصیبت کا شکار ہو گیا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور کوئٹہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ اس حادثے سے پہلے انہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔ صرف نام سن رکھا تھا۔ خمنی بات کرتا چلوں۔ اس افسر کا تعلق لاہور سے تھا۔ ابتدائی تعلیم کیلئے آپسین کالج میں پڑھتا رہا تھا۔ حد درجہ لاکن انسان۔ ذاتی محنت کی بدولت سکول میں ہمیشہ بہترین نمبر حاصل کرتا رہا۔ یہی صورت حال گورنمنٹ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی میں رہی۔ دونوں جگہ ہمیشہ اول پوزیشن حاصل کی۔ مقابلہ کا امتحان یعنی سی ایس ایس دیا تو اس میں بھی اول پوزیشن حاصل کی۔ عرض کرنے کا مقصد یہ کہ کمال ذہین آدمی تھا۔

بات کوئٹہ کی ہو رہی تھی۔ کوئٹہ جیل میں دو ڈھانی مہینہ قید رہا۔ بلوچستان میں انہوں نے ہر اچھی پوسٹنگ کر رکھی تھی۔ گرفتاری سے پہلے وسیع حلقة احباب تھا۔ جب صدانت پر باہر آیا تو پورے شہر اور تمام دوستوں کی نظریں بدلتی ہوئی تھیں۔ زیر عتاب انسان سے تو لوگ ہاتھ تک نہیں ملانا چاہتے۔ اسکے ساتھ بھی بالکل یہی ہوا۔ مشکل وقت تھا کہ فیبلی اسلام آباد میں تھی اور کوئٹہ میں اتنے پاس رہنے کیلئے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ایک دن اتفاق سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ آج کل ٹھہر نے کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ دراصل میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ اس زمانے میں، اکیلا کوئٹہ رہتا تھا۔ سرکاری گھر ملا ہوا تھا۔ دونوں بیٹیں اور اہلیہ لاہور میں تھے۔ وجہ صرف یہ کہ پورے پاکستان میں کسی بھی پوسٹنگ کے دوران بچوں کو تعلیم کے تسلسل کی وجہ سے کبھی لاہور سے باہر منتقل نہیں کیا۔ خیر گھر میں اکیلا ہونے کی بدولت، سینٹر افسر میرے پاس آگئے اور کافی عرصہ رہے۔ آہستہ آہستہ ان سے دوستی ہو گئی۔ وطیرہ بن گیا کہ وہ اسلام آباد چلے جاتے تھے۔ کیس کی پیشی کیلئے کوئٹہ آ جاتے تھے۔ ویسے ان پر مقدمہ بالکل جھوٹا بنایا گیا تھا۔ بعد میں اس میں باعزت بری ہو گئے تھے۔ مشکل ترین وقت میں انہیں نزدیک سے جانے کا وافر موقعہ ملا۔ انکی بذلہ سنجی اور شائستگی سے حد درجہ متاثر ہو گیا۔ ایک شام کو دونوں، بالکل اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گھری سوچ میں تھے۔ کہنے لگے، میری ایک بات سنو گے۔ بتانے لگے کہ کوئٹہ جیل کی سی کلاس میں ڈھانی مہینہ رہے۔ جیل میں جتنے قیدی تھے، ان سے بات چیت کرنی شروع کر دی۔ قیدیوں نے انہیں اپنی جگ بیتی سنانی شروع کر دی۔ جیل میں مقیم تقریباً تمام قیدی فرداً اپنے ساتھ ہونے والے واقعات سناتے رہے۔ گھری سوچ سے نکل کر کہا، کہ ڈاکٹر، جیل سے بدر جگہ کوئی نہیں ہے۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہاں پرسزا یافتہ لوگ آسی فیصلہ کے لگ بھگ لوگ مکمل طور پر بے گناہ ہیں۔ انہیں دشمنی، تحصیل اور نظام کے جرنبے سزا دلوائی ہے۔ انکا جرم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ گفتگو جاری رہی۔ اور ہاں، پھانسی چڑھنے والے ستر فیصلہ لوگ قاتل نہیں ہوتے۔ وہ بھی بے گناہ ہوتے ہیں۔ مگر نظامِ عدل میں انصاف نہ ہونے کی وجہ سے، بے گناہ ہونے کے باوجود پھانسی لگ جاتے ہیں۔ دراصل ڈاکٹر، ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ نظام اور ہم تمام لوگ ایک دوسرے کیلئے دنیاوی عذاب ہیں۔ خدا تو گناہ اور ثواب کی ناپ توں کر کے جہنم اور جنت

کافیصلہ کریگا۔ مگر اس ملک میں بالخصوص، ہم ایک دوسرے کیلئے حد درجہ عذاب درعذاب ہیں۔ ہم کسی کو آسان زندگی دینے کے قاتل ہی نہیں ہیں۔ میں خاموش ہو گیا۔ بتانے لگے کوئی جیل میں انہیں جا کر پہلی بار، اپنے سماج کے اس بھیانک پہلو کا اندازہ ہوا، جس نے انکی بعدی زندگی اور سوچ کا دھار ابدل دیا۔ انکی یہ بات اس قدر نایاب، مختلف اور حیرت انگیز تھی کہ میرے ذہن میں مستقل طور پر گھر کر گئی۔ اپنی سوسائٹی کو دھیرے دھیرے، اس عذاب کے کلیے کے ذریعہ پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ یقین نہیں کر سکتے۔ اس افسر کی بات اگر سو فیصد درست نہ تھی تو نہادے نیصد مکمل طور پر صحیح تھی۔ ایک ایسا سچ، جس پر کبھی کسی نے بھی بات نہیں کی۔ کبھی اسکو جانے، پر کھنے اور تحقیق کی بھی جرات نہیں کی۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ہم تمام لوگ انجانے میں اور جانتے ہوئے بھرپور طور پر ایک دوسرے کیلئے باعث آثار ہیں۔ تمام ملکی نظام اور اس کا ہر گماشہ، صرف اور صرف مشکلات کھڑی کرنے میں یہ طویل حاصل کر چکا ہے۔ آسانیوں کی تقسیم کی بات صرف کتابوں یا واعظوں تک محدود ہے۔ انکی عملی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔

اس نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے نظام کے کسی حصہ کو بھی دیکھیے۔ آپ کو اس تلخ حقیقت کا ادراک ہو جائیگا۔ چیزیں، نظامِ عدل سے شروع کر لیجئے۔ چند روز قبل محترم چیف جسٹس نے ایک تقریر میں کہا کہ جو بھی خوشی کی خبر آتی ہے، وہ صرف عدیلیہ کی جانب سے ہی آتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انکے پاس حقائق اور ان کا تجزیہ بہت زیادہ ہو۔ مگر نظامِ عدل کے ناکام ہونے کے ثبوت بہت زیادہ ہیں۔ سول نجح صاحبان سے لیکر اوپر تک نجح صاحبان اس درجہ ناقص نظام میں کام کر رہے ہیں کہ فیصلہ تو دور کی بات، انصاف کا معیار حد درجہ تنزلی کا شکار ہو چکا ہے۔ طوالت، سائیلینن کے جسموں سے روح اور عزتِ نفس نکال دیتی ہے۔ لوگ زندہ لاشوں کی طرح دہائیوں ایک عدالت سے دوسری اور اسکے بعد تیسری یا چوتھی عدالت تک پہنچتے پہنچتے رُل جاتے ہیں۔ مگر فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ ہاں ایک اور بات، آج تک دنیا کی کسی عدالت میں پاکستان مجرموں کی کیسے ہوئے فیصلوں کو بطور مثال پیش ہوتے نہیں دیکھا۔ لندن کی کراون کورٹ کے فیصلے پڑھیے۔ آپ کو ان فیصلوں سے سیکھنے کا حد درجہ میسٹریل ملے گا۔ زبان و بیان سے لیکر فیصلے کے بنیادی مضمون پر بھی حد درجہ محنت ہوئی نظر آجائیگی۔ مگر ہمارے بد قسم نظام میں فیصلوں کا معیار اکثر اوقات اس درجہ پست ہوتا ہے کہ انسان پر یثناں ہو جاتا ہے۔ نظامِ عدل میں ہر چیز ہے، مگر انصاف نہیں ہے۔ عدالت کا شاف جس میں بیلف، ریڈر، نائب کورٹ، اسٹینو، تارنخ دینے والا بابو، اس نظامِ عدل کی بنیاد ہیں۔ یہ نجح سے بھی حد درجہ اہم ہیں۔ اکثر کسی بھی عدالت کے اہلکار، آپکے ساتھ ہیں تو آپ عدالت میں پیش ہو، یا نہ ہوں، آپکے مقدمہ کو عدالتی بابو، لست میں اس درجہ نیچے رکھے گا، کہ آپکے کیس کی کبھی باری نہیں آئیگی۔ آپ کا مخالف، پورا دن ہونقوں کی طرح کمرہ عدالت کے باہر نیچ پر بیٹھے بیٹھے سوکھ جائیگا۔ مگر شام کو کیس التوا میں ڈالنے کی بدولت، نامرا دا پنے ٹھکانے پرواپس چلا جائیگا۔ انکھیں بند کر کے غور کیجئے۔ کیا یہ نظامِ عدل اور اس سے منسلک لوگوں کی اکثریت عام لوگوں کیلئے عذاب نہیں ہیں۔ بالکل ہیں۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے بابو، جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آپکے مقدمہ کو بر باد کر سکتے ہیں۔ آپکی پیگڑی کو اس طرح اچھال سکتے ہیں کہ پوری زندگی کسی کو منہہ دکھانے کے قابل نہیں رہیگے۔ یہ تماشہ اس ملک میں ہر روز تسلسل سے ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا۔ سائیلینن عذاب کا شکار رہیں گے اور انکی بات سننے والا کوئی نہیں

صرف نظامِ عدل تک بات محدود کرنی خد درجہ نا انصافی ہو گی۔ ملک کی یور و کریسی کی مثال سامنے رکھیے۔ اوپر سے نیچے تک تمام سرکاری عمال کی کارکردگی کو پر کھیے۔ سیکریٹریٹ کے باجوہ، ہیڈ باؤ اور ضلعی انتظامیہ کو کسی سٹڈی کے طور پر آگے لے آئیے۔ اگر کسی سرکاری دفتر میں کام پڑ گیا تو آپ اس حد تک ذلیل کر دیے جائیں گے کئی بارا پنا جائز کام چھوڑ دالیں گے۔ دفاتر کے چکر لگاتے لگاتے، جو تیاں ہی نہیں، آپ کی روح کے پیچ و خم گھس جائیں گے۔ مگر کام نہیں ہو پائیں گا۔ اگر یقین نہیں آتا تو پاکستان کے کسی بھی دفتر کے باہر کھڑے ہوئے سائلین سے پوچھیے کہ آپ کب سے یہاں انتظار کر رہے ہیں اور افسر سے کتنی بار ملے ہیں۔ انتہائی بے چارگی سے اکثریت جواب دیگی کہ وہ سالہا سال سے آرہے ہیں۔ مگر ایک دوبارہی افسر سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اگلی بار آئے تو اس کا تباہ لہ ہو چکا تھا۔ ذلت کا یہ سفران آدمیوں کیلئے ہمیشہ کی طرح جاری رہتا ہے۔ بے جواز میٹنگ، دارالحکومت کے پھیرے اور اسکے ساتھ ساتھ بے تحاشہ الی تملہ، اپنی جگہ پر۔ مگر عام لوگوں کی افسران تک رسائی خد درجہ مشکل ہے اور جائز کام ہونا بھی ناممکن ہے۔ ہاں ایک اور بات، ہر دفتر کے باہر، ٹاؤٹوں کی کھیپ نظر آئیں گے جو پیسے لیکر آپ کا کام کروانے کا دعویٰ کریں گے۔ ان میں سے اکثریت فراڈ دیتے ہیں۔ وہ پیسے بٹور کر غائب ہو جاتے ہیں یا کسی دوسرے دفتر کے سامنے دلائی کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں اس طرح کامنی سرکاری نظام موجود نہیں ہے۔ یہ باجوہ، یہ ٹاؤٹ، عام پیلک کیلئے عذاب سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ شائد زیادہ ہی ہوں۔

پوری سرکاری زندگی میں صرف ایک افسر دیکھا ہے جو اسٹینٹ کمشنر سے لیکر چیف سیکریٹری پنجاب تک بغیر چٹ کے ہر ایک سے ملتا تھا۔ جو گرمیوں میں اپنے دفتر کا اے سی اسلیے بند رکھتا تھا کہ عام آدمی کیلئے اے سی کی سہولت موجود نہیں ہے۔ دفتر آنے کیلئے چھوٹی گاڑی استعمال کرتا تھا۔ صرف اسلیے کہ بڑی گاڑی میں سرکاری پڑول کا خرچہ بہت زیادہ ہوتا تھا۔ دفتری اوقات کے بعد، اپنی چالیس سال پرانی فوکس و گین گاڑی استعمال کرتا تھا۔ جسے وہ خود چلاتا تھا اور خود صاف کرتا تھا۔ بطور چیف سیکریٹری، پنجاب کی ہر تحصیل میں بذات خود اور اپنی پوری ٹیم کو لیکر گیا اور تحصیل کے معاملات کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔ اسکے علاوہ وہ کافی کام کرتا رہا۔ جسے پنجاب کی سول سیکریٹ میں سے تجاوزات ہٹا کر اسے بالکل نیا چہرہ دیدیا۔ مگر محترم شہباز شریف، اس انسان دوست چیف سیکریٹری سے اس قدر نالاں ہو گئے کہ انہیں دوسال کیلئے او۔ ایس۔ ڈی بنانے کر رکھا۔ اس چیف سیکریٹری کو لوگوں کے مسائل حل کرنے کی کڑی سزا دی گئی۔ اس ملک میں جو بھی لوگوں کی بہتری کیلئے کام کریگا، اسے قرار واقعی سزا دی جائیں گے۔ ہاں، اگر آپ لیں سر، لیں سرٹائپ باجوہ ہیں۔ عوام کو تکلیف دیتے ہیں، لوگوں سے بد تمیزی کرتے ہیں اور طاقتور کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، تو یاد رکھیے، یہ ملک صرف اور صرف آپ ہی کیلئے بنتا ہے۔ آپ پھر تی سے ترقی کرتے چلے جائیں گے۔

پورے ملک کے کسی بھی کونے میں چلے جائیے۔ عوام آپ کو بنیادی ضروریات کیلئے ترستے نظر آئیں گے۔ جمہوریت اور جذباتی تقاریر، پلیٹ میں ڈال کر کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھر سکتی۔ یہ صرف اور صرف بے مقصد نعرے ہیں۔ جسکے پیچے ذاتی مفادات کے تاج محل بنے ہوئے ہیں۔ کسی بھی طرح کی بنیادی تبدیلی تو خیراب ممکن نہیں ہے۔ مگر ایک دوسرے کیلئے مسلسل عذاب بننے کی حقیقت کو جھٹلانا بھی شائداب ممکن نہیں۔ یہی کامیاب اور ناکام ریاست میں فرق ہوتا ہے۔ کامیاب ریاستیں لوگوں کے مسائل حل کرتی ہیں۔ ناکام

ریاستیں، لوگوں کے مسائل کو بڑھاتی اور پیچیدہ کرتی ہیں۔ فرق صرف سوچ کا ہے جو ہمارے جیسے ملک میں شائد کبھی نہ بدالے!

راو منظر حیات